فوزیہ پروین

افسر امروہوی
اُردو زبان کے ایک بہترین شاعر یا محقق؟

AFSAR AMROHVI : A POET AT PAR OF URDU POETRY OR RESEARCHER?

Abstract

Afsar Siddiqui Amrohvi was saint by nature. He never tried to claim himself be so-called celebrity. He served literature as a writer of Urdu language whole heartedly.

Afsar Siddiqui Amrohvi were great fan of classical and modern literature. He guided the young researchers. He used combination of classical and modern literature. He used to review the topic in depth and widely presented the views. He kept unique form of research. By writing "Talamaz-a-Musahfi" no doubt Siddiqui not only clarified the volume of Musahfi but he also got a focus of his fellows and followers. This proves him a right guide and his research regarding Musahfi is being used as reference.

Afsar is known as famous researcher but he is also a giant master poet. He started his literary career in 1914 as poet, and in the same year his first Ghazal was published in "Talib-e-Deedar" magazine.

Afsar Sidiqui Amrohvi remained Secretary of the "Anjuman Taraqui Urdu" for long. He was multi-dimensional poet and person. Along with Ghazal, he wrote, Masnavi, Qaseeda, Rubai and other poetic verses.

امروہہ دہلی کی جانب شرق ۸۱ میل مرادآباد سے بجانب غرب ۱۹ میل پر واقع ہے۔ ۶۲ میل شمال میں اس کے ہمالیہ پہاڑ ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق امروہہ کی کل آبادی چالیس ہزار چار سواڑتالیس تھی جن میں انیتس ہزار پانچ سو ساٹھ مسلمان، دس ہزار ایک سو اٹھتر ہندو اور سات سو گیارہ عیسائی وغیرہ تھے۔ سنہ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی کل آبادی ایک لاکھ چھتیس ہزار آٹھ سو بیانوے افراد پر مشتمل تھی جس میں ۶۵ فیصد مسلمان اور باقی ۳۵ فیصد ہندو اور دوسری اقوام ہیں۔ سنہ

۱۹۹۷ء کوامروہہ کو ضلع کادرجہ دیا گیا۔اس طرح امروہہ صوبہ اُترپردیش کا ۷۰واں ضلع بن گیا۔[1]

امروہہ علم وادب اور فنون لطیفہ بالخصوص شعروشاعری کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں بڑے بڑے باکمال اور نامور شعراء پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے غزل، قصیدہ، مرثیہ، نعت، مثنوی غرض ہر صنفِ شاعری میں اپنااوراپنے وطن کانام روشن کیا۔

سیّد قمر رضی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''جہاں تک شعر کے موزوں کرنے کا تعلق ہے میرے خیال میں امروہہ کا ہر دسواں آدمی اس کا اہل ہے۔اور ایسا کرنے پر قادر ہے۔میر تقی میرؔ کے استاد میر سعادت بھی امروہوی تھے۔ مصحفیؔ کا تعلق اِسی سرزمین سے تھا۔امروہہ میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہ ہوگی جنہوں نے اپنے لیے حیات امروہی سے غزل، قصیدہ، رباعی، فلسفہ، گیت، نوحے، سہرے، چہار بیتیں اور مرثیے لکھوائے ہوں گے۔حیات نے اپنی مختصر سی زندگی میں ہر صنف میں طبع آزمائی کی فلم ''پکار'' میں ان کی غزل کے چند اشعار آج تک زندہ ہیں:

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے
لے نہ ٹوٹے زندگی کے ساز کی
زندگی آواز ہی آواز ہے [2]

امروہہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ امروہہ کی فضا ہمیشہ شعری وادبی ہی رہی۔امروہہ کی محافل، مجالس ادبی و شعری نشستوں اور مختلف جلسوں میں دوسرے شہروں سے بھی شعراء واد باشرکت کیا کرتے تھے جیسے دہلی دبستان کے قدیم شاعر مرزا مظہر جانِ جاناں دہلی سے امروہہ تشریف لائے اور امروہہ کے ایک مدرسے میں قیام کیا کرتے۔شعراء شاعری کی نسبت ایک دوسرے کو صلاح ومشورہ بھی دیا کرتے تھے۔امروہہ کی اس شعری روایت پر احمد حسین صدیقی کچھ اس انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:

''خدائے سخن بادشاہ غزل اور اساتذہ دہلی اسکول کے صف اوّل کے شاعر میر تقی میرؔ نے بھی سعادت امروہوی کے مشورے پر ریختہ کی جانب توجہ کی۔میرؔ نے اپنے تذکروں میں بھی سعادت سے اپنے تعلق کا ذکر کیا ہے۔دوسری طرف مصحفیؔ امروہوی جیسا استاد بھی اس زمین نے پیدا کیا۔اُردو شاعری میں استادی کے اس درجے پر شاید ہی کوئی فائز ہوا ہو۔لکھنؤ اسکول میں آتش اور دو اہم مرثیہ نگار ضمیرؔ اور خلیقؔ بھی مصحفیؔ کے ہی شاگرد تھے۔اس طرح امروہہ اسکول نہ ہونے کے باوجود دہلی اور لکھنو دونوں اسکولوں کا سرچشمہ ہے۔امروہہ کی زبان کے بارے میں مولوی سید شفیق حسن ایلیا کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

اللہ! اللہ! شان امروہہ	زہے طرز بیان امروہہ
دہلی لکھنو کا ہے اوسط	معتدل ہے زبان امروہہ

محشر لکھنوی کے استاد اس امروہہ کے مومن حسین صفی امروہوی تھے۔ جنہوں نے امروہہ اپنی آمد پر کہا تھا:

امروہہ در حقیقت ابوئی شاعری ہے
مولد مصحفی کا حشر ذرا سنبھل کر ۳

امروہہ میں شاعری کا موضوع زیادہ تر مذہبی رہا۔ جیسے حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، مناقب، مناجات، سلام، نوحہ، ماتم اور مرثیہ وغیرہ۔ امروہہ کے تخلیق کاروں میں اکثریت چوں کہ شعراء کی تھی جس میں کافی تعداد مرثیہ نگاروں کی رہی ہے۔ اس لحاظ سے امروہہ کو لکھنوٴ کے بعد دوسرے اسکول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ امروہہ ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن علم وادب، شاعری اور فنون کی دنیا میں اس بستی کو جو شہرت ملی ہے وہ برصغیر کے کسی شہر کو نہ مل سکی۔ کوئی شعبہ حیات ایسا نہیں جس میں امروہہ کے لوگوں نے کارہائے نمایاں انجام نہ دیے ہوں۔ سرزمین امروہہ نے، جسے بڑے بڑے اولیاء وصوفیائے کرام، ولی اللہ، اور مہاتمائوں نے اپنا مسکن بنایا۔ یہاں بے شمار مشہور اور شہرہ آفاق شخصیات پیدا ہوئیں ان میں افسر امروہوی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

افسر امروہوی کے جدّ اعلیٰ نوازش علی عرف نوازی صدیقی ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء میں دہلی سے امروہہ آئے اور یہاں مستقل سکونت کرلی۔ افسر امروہوی کے والد کا نام شمس الدین تھا۔اِن کے جدّ بزرگوار نوازش علی صدیقی جو ''نیازی'' کی عرفیت سے مشہور تھے۔ مغل تاجدار فرخ سیر بہادر کے عہدِ حکومت میں دہلی سے امروہہ جاکر آباد ہوگئے تھے۔ نیازی مرحوم کے ایک صاحبزادے حکیم اللہ تھے۔ان کے فرزند کریم اللہ اور ان کے بیٹے امام بخش ہوئے۔ امام بخش فرزند ارجمند مولوی رحیم بخش اور ان کے فرزند شمس الدین صدیقی تھے جن کے واحد فخر خاندان فرزند افسر صدیقی امروہوی ہیں۔

تاریخی نام منظور حسین تھا جس سے سال ولادت ۱۳۱۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ مگر منظور احمد نام رہا۔ افسر تخلص کرتے تھے۔ افسر امروہوی کا یہ تاریخی نام حافظ مظہر علی انصاری محلہ ترپولیان (پروفیسر مناظر حسن کے پردادا) نے رکھا تھا۔ افسر امروہوی محلہ کالی پگڑی امروہہ میں ۹، دسمبر ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے۔

طبعاً اور اخلاقاً افسر امروہوی خلق وکرم کا نمونہ ہیں ان کے مزاج میں متانت اور سنجیدگی کا بھی دخل ہے۔ کراچی میں وارد ہوتے ہی افسر امروہوی نے انجمن کی سرگرمیوں میں دلچسپی لینی شروع کردی اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے تمام افراد حلقۂ ادب کے دلوں میں گھر کرلیا۔ افسر امروہوی گذشتہ مدّت میں متعدد مرتبہ نائب ناظم کے عہدے پر فائز رہے اور اس سے پہلے بغیر کسی عہدے کے انجمن کی خدمت محفل اُردو پرستی کی وجہ سے کرتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں افسر امروہوی کو انجمن کی نظامت کا عہدۂ جلیلہ تفویض ہوا۔ انہی معاشی اور ذاتی مصروفیتوں کے باوجود انجمن کے تمام کاموں کو سرانجام دینا افسر

امروہوی کا ہی کا حُسنِ کمال ہے۔افسرؔ امروہوی کو تمام اصنافِ سخن پہ پوری دسترس حاصل ہے۔ علمِ عروض اور تاریخ گوئی کے خاص ماہر ہیں۔

افسرؔ امروہوی نے اپنے مجموعوں کے نام بھی تاریخی رکھے۔مادہ ہائے تاریخ کے نکالنے اور ان کو شعری قالب میں ڈھالنے میں افسرؔ امروہوی کو جو ملکہ حاصل تھا وہ واقعی حیران کن ہے۔ ان کے دوست احباب، شاگرد اور اہلِ غرض جب تاریخ کے لیے آتے تھے تو جس عجلت سے قطعات تاریخ ان کو لکھ کر دیتے وہ ان کے لیے حیرت وانبساط کا باعث ہوتے۔اور دل ہی دل میں ان کی قادرالکلامی کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہوئے رخصت ہو جاتے۔افسرؔ امروہوی کو سرزمینِ سندھ سے لگاؤ تھا کہ یہاں آنے کے بعد کہیں نہیں گئے۔

ڈاکٹر وفا راشدی اپنی کتاب ''میرے بزرگ میرے ہم عصر'' میں فرماتے ہیں:

''اُن کی کوششوں سے سندھ میں اُردو زبان وادب کو فروغ حاصل ہوا بہت سے ادباء، شعراء اور اہلِ تحقیق ان کے دامنِ فیض سے فیض یاب ہوئے، انہوں نے جن ادیبوں اور شاعروں کی رہنمائی کی ان میں بہت سے دنیائے ادب میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان میں سے کئی ایسے ہیں جو اُن کی شاگردی یا ادبی رہبری سے انکار کرتے ہیں، لیکن کئی اعلیٰ ظرف ایسے بھی ہیں جو اُن کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں یا ان سے براہِ راست استفادے کا اعتراف کرتے ہیں۔۔۔'' [۴]

افسرؔ امروہوی قلندر منش اور وضع دار آدمی تھے۔ نام ونمود اور شہرت کی ان کو قطعی پروا نہیں تھی۔ وہ اردو کے خدمت گزار کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے تھے چنانچہ جب پاکستان قائم ہوا اور مولوی عبدالحق نے کراچی آکر بعض اور دوستوں کے تعاون سے انجمن ترقی اردو کی بنیاد رکھی تو افسرؔ امروہوی اس سے وابستہ ہو گئے اور بڑی محنت اور لگن سے مخطوطات انجمن ترقی اردو کی آٹھ جلدیں مرتب کیں۔اس کے بعد '' تذکرۂ عروس الاذکار''، ''تذکرہ مدائع شعرا'' اور قدیم ترین مراثی کا ایک مجموعہ ''بیاضِ مراثی'' کے عنوان سے مرتب و مدون کیا۔ ساتھ ہی خاندانِ انیسؔ کے شعرا کے حالات 'فیضانِ انیسؔ اور تلامذہ دبیرؔ کے حالات' گلستانِ ضمیر کے عنوان سے لکھے، شعرائے برہان پور کا ایک تذکرہ بھی مرتب کیا۔

افسرؔ امروہوی اوائل عمر میں بغیر استاد کے شعر و سخن کا شوق فرمایا کرتے تھے لیکن ۱۹۱۲ء سے افسرؔ امروہوی کو باقاعدہ طور پر حصولِ فن کا شوق پیدا ہوا۔ اور انہوں نے خان بہادر حضرت مضطرؔ خیر آبادی سے مشورۂ سخن جاری کیا۔ بعد میں شوق قدوائی لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور اسی صورت ان کا سلسلۂ تلمذ بالواسطہ مصحفیؔ تک پہنچتا ہے۔ افسرؔ امروہوی شیخ مصحفیؔ مرحوم کے بہت زیادہ معتقد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ''تلامذۂ مصحفیؔ'' کے نام سے جیم و ضخیم تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اسی لیے افسرؔ امروہوی کو یادگارِ مصحفیؔ کے نام سے بہت یاد کیا جاتا ہے۔

مختلف او قات میں افسر امر وہوی کو مختلف اداروں کی طرف سے تین خطابات عطا ہوئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ افسرؔ الشعرائ ۲۔ بلیغ الکلام ۳۔ فصیح البیان

افسرؔ امروہوی کی پہلی غزل ۱۹۱۴ء میں میرٹھ کے ایک ماہنامہ ''طالب دیدار'' میں شائع ہوئی جس کی مقبولیت سے افسرؔ امروہوی کو شہرت حاصل ہوئی اور وطن سے بڑھ کر اطرافِ وطن یعنی اضلاع روہیلکھنڈ میں ان کا چرچا شروع ہو گیا۔ چنانچہ متعدد مقامات سے مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی جانے لگی حضرت خواجہ علی حسن (حسن نظامی) دہلوی کی دہلی میں قائم کردہ بزم ''خسروی'' کے ۱۹۲۱ء کے مشاعرے میں ان کی غزل کو جملہ شعرا کی غزلوں پر اوّلیت کا درجہ دیا گیا جس کی وجہ سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ ۵

افسرؔ امروہوی علمِ عروض کے ماہر اور فن شعر کے استاد تھے، قطعات تاریخ کے علاوہ رباعیات، نظمیں اور قصائد وغیرہ ان کی مہارت فن کے مظہر ہیں لیکن وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے غزل میں ان کا ایک مخصوص رنگ ہے اس رنگ تغزل کے باعث انہیں استاد سخن کا درجہ حاصل ہے۔

اصناف سخن میں غزل کو آج بھی وہی اہمیت و فوقیت حاصل ہے جو میرؔ اور غالبؔ کے زمانے میں تھی یہ اور بات ہے کہ ہر دور میں حالات کے ساتھ ساتھ فکری اساس کا منبع بدلتا گیا، غزل کے مزاج میں تبدیلی آگئی، زبان و بیان کے اسلوب پر رنگ رنگ کی چادریں چڑھتی گئیں، غزل کا رنگ اور روپ نکھرتا گیا، ایک دور ایسا بھی آیا کہ جدیدیت کے نام پر نت نئے تجربات کے شوق میں تہذیبی و ثقافتی شعور نہ ہونے کی وجہ سے اکثر شعراء نے غزل کا حلیہ بگاڑنے اور اسے کم تر صنف ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن جس طرح ہزارہا مخالفتوں کے باوجود اردو زبان نہ صرف زندہ ہے بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں روز افزوں ہے، اسی طرح غزل کا مستقبل بھی بہتر ہوتا گیا، آج غزل کا تنوع، وسعت، آفاقیت اور شگفتگی و لطافت کے آگے کوئی بھی دوسری صنف اس سے آنکھیں چار نہیں کرسکتی، غزل کو یہ حسن یہ توانائی اور یہ رعنائی بخشنے میں جن اساتذہ متغزلین کا خون جگر شامل ہے، ان میں افسرؔ امروہوی کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے، افسرؔ امرہوی نے اساتذۂ متقدمین سے لے کر متاخرین تک کے کلام سے استفادہ کیا، نہایت خوداعتمادی، خوش اسلوبی سے ان کی پیروی کی، روایتی اسلوب اپنایا مگر منفرد رنگ و آہنگ بھی قائم رکھا، فنی کمالات کے ساتھ ساتھ جدید رجحانات کو نظرانداز نہیں کیا، عصری پیغامات کا بھی ساتھ دیا، ان کا کلام پختہ، شستہ، بے ساختہ اور سادہ ہے، صاف و شفاف خیالات و جذبات کا آئینہ ہے، فکر و فن کی سادگی پُرکاری ان کے دل و دماغ کی صفائی کی عکاسی کرتی ہے اور اس قول کی گواہی دیتی ہے کہ جو سچائی دل میں ہوتی ہے وہی زبان پر آتی ہے اور شعر کا روپ دھار کر امر ہو جاتی ہے۔ یہی سچائی افسرؔ امروہوی کے کلام کی

سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

چٹکیاں لیتا ہے افسرؔ اس لیے میرا کلام
درد الفت نے سکھائی ہے غزل گوئی مجھے
یہ اس کی جوانی کی ہے تعریب مکمل
ایک نشہ تو قیامت انساں میں نہاں ہے
شعر گوئی بر بنائے خدمت احباب ہے
افسرؔ خوش گو کو علم و فضل کا دعویٰ نہیں
طریقہ زندگی کا سبزۂ پامال سے سیکھو
کہ اس کا سر نہ اٹھنے کے سبب سے خم نہیں ہوتا

افسرؔ امروہوی، میر تقی میرؔ اور غلام احمد ہمدانی مصحفیؔ سے زیادہ متاثر ہوئے اس لیے ان کے ہاں کہیں کہیں انہیں بزرگوں کا اثر، وحدت و کثر، رموز وحیات اور زندگی کی تلخ و شیریں حقیقتوں پر بھی محیط ہے، افسرؔ امروہوی ایک درویش صفت، حقیقت پسند، خاموش طبع اور حلیم الطبع شخص تھے، ان کے مزاج اور طبیعت کا بانکپن ان کے اشعار سے ظاہر ہے:

جواب سخت گویاں ہے سکوت بر محل افسرؔ
سکھائی ہے یہی فطرت نے طرز گفتگو مجھ کو
چلا ہوں بزم ہستی سے توکل کا سبق لے کر
گزاروں گا قیامت تک لحد میں ایک چادر سے
غبار خاطر احباب ہو کر زندگی کیسی
جگہ دے اے زمین قبر دنیا پر گراں ہوں میں [6]

افسرؔ امروہوی نے غزل کے علاوہ نظمیں، قصائد اور رباعیات وغیرہ بھی بہ تعداد کثیر لکھی ہیں۔ ان کا خاندانی اور گھریلو ماحول شاعرانہ تھا۔ اس سے نہ صرف ان کے ذوق کو جِلا ملی بلکہ ان کا شمار مشہور شاعروں میں ہونے لگا۔ ان کے بیان کے مطابق انہوں نے سولہ برس کی عمر میں شاعری شروع کی تھی اور پھر ملک کے بیشتر گلدستوں اور ماہناموں میں ان کا کلام شائع ہونے لگا۔ ان کی شاعرانہ مقبولیت اور شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ان کی عمر پچیس تیس سال کے لگ بھگ تھی امروہہ سے ان کے کلام کے دو مجموعے شائع ہو چکے تھے پہلے مجموعے کا نام ''موجِ تحسین'' اور دوسرے کا نام ''رباعیاتِ افسر'' تھا۔ ان مجموعوں کی اشاعت کے دو سال بعد تلاشِ معاش کا مسئلہ پیدا ہوا۔ انہوں نے ترکِ وطن پر کمر باندھی۔ دہلی یا کسی اور کاروباری شہر جانے کے بجائے کراچی آ گئے۔ ان کا کراچی میں

ادبی دور کا سال ۱۹۲۷ء تھا۔ کراچی ۱۹۲۷ء میں بہت مختصر سا شہر تھا۔ اس کی آبادی چند ہزار سے زائد نہ تھی ایسے مختصر اور دور افتادہ شہر میں کسی علمی اور ادبی ذوق کی آبیاری ممکن نہیں تھی لیکن انہوں نے اس عزم کے ساتھ اس شہر میں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی کہ وہ اس کو علمی اور ادبی اعتبار سے اپنے حق میں ساز گار بنائیں گے۔

ہند میں مشاعروں کی روایت عام تھی۔ برِّصغیر اور ہر شہر میں مشاعرے ہوتے تھے مگر کراچی میں مشاعروں کا رواج عام نہ تھا افسرؔ آمر وہوی نے اس کی قطعی پروا نہیں کی اور پورے انہماک سے ادبی اور علمی کاموں میں لگے رہے جس کے نتیجے میں علمی اور ادبی ذوق رکھنے والوں کا اچھا خاصا گروہ ان کے گرد جمع ہو گیا اور اسی کے ساتھ اردو مشاعروں کی راویت زندہ ہو گئی اور اس کے ساتھ کئی اور مشاعرے سامنے آئے اس زمانے میں بلاشبہ افسرؔ آمر وہوی نے سینکڑوں افراد کی ذہنی اور فکری تربیت کی، ان میں علمی اور ادبی ذوق پیدا کیا۔ ان میں شعر گوئی اور شعر خوانی کی صلاحیت پیدا کی ان کی غزلوں اور دوسری تحریروں کو نوک پلک سے درست کیا اور جب وہ کسی قابل ہو گئے تو ان سے نگاہیں پھیر لیں اور وہ بھی اس طرح جیسے شناسائی بھی نہیں تھی۔

افسرؔ آمر وہوی نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

''اور جتنے شاگردوں کو تعلیم دینے کا اتفاق ہوا ہے ان کی تعداد سینکڑوں سے کم نہیں ہے اور ان میں سے بعض اپنے طلبِ علم کے شوق اور سعادت مندی کے اوصاف کی وجہ سے مجھے بہت عزیز بھی رہے لیکن حصولِ تعلیم اور فائز ہونے کے بعد کسی کی صورت دیکھنے کا گناہ گار نہ ہو سکا۔ یہ اور بات ہے کہ راستے میں مل گئے اور صاحب سلامت ہو گئی۔'' ۷

افسرؔ آمر وہوی نے جن کے کلام پر دن رات محنت کی اور جن کو باصلاحیت اور باکمال شاعر بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا ان کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ:

''خود میرے احباب میں بعض ایسے لوگ ہیں جن کی تمنائے اصلاح اور اصلاح شدہ غزلوں کی وصولیابی کے بعد اصلاح کی خوبیوں کے اعتراف سے بھرے ہوئے خط میرے پاس موجود ہیں لیکن کچھ ہو جانے کے بعد وہ صرف زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے بلکہ اپنے مجموعے کلام کو بھی اس حقیقت کے اظہار سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے ہیں۔'' ۸

۱۹۲۷ء میں بیماری کی وجہ سے افسرؔ آمر وہوی کراچی آ گئے۔ رفتہ رفتہ یہاں بھی شعر و شاعری کی فضا پیدا ہونے لگی۔ اس شہر تجارت میں مشاعرے ہونے لگے اور اہلِ کراچی اردو زبان وادب سے دلچسپی لینے لگے۔ پیر حسام الدین راشدی کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۷ء تک افسرؔ آمر وہوی اس شہر کے جگت اُستاد تھے۔ اردو شاعری کے علم وادب کی جو بات ہوتی اس کی سند افسرؔ آمر وہوی سے حاصل کی جاتی۔ کراچی سے اردو

اخبار اور رسالے نکالے گئے مولانا نے اپنے ایک شعر میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

زمینِ سندھ سے نسبت تھی کیا مجھے افسرؔ
خدا نے بھیج دیا خدمتِ زباں کے لیے

یہ وہ زمانہ تھا کہ کراچی میں اُن کی شاعری کے آگے کسی کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ کراچی میں اردو کانفرنس ۱۹۴۲ء میں ہوئی تو اس کے زیرِ اہتمام مشاعرہ بھی ہوا۔ سیماب اکبر آبادی بھی اس میں شریک تھے۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق بھی کانفرنس میں صدارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مشاعرے کے بعد بابائے اُردو نے افسر امروہوی سے کہا۔ مولانا! آج تو آپ نے سیماب کو پچھاڑ دیا۔ مصرع طرح تھا:

ع-ہر بندہ کے لباس میں بندہ نواز ہے

افسرؔ امروہوی نے جب یہ شعر پڑھا تو مشاعرہ کھل اُٹھا۔

تجدیدِ امتحانِ وفا کر رہا ہوں میں
اس اعتبار پر کہ خدا کار ساز ہے

اس غزل کا مقطع یہ تھا۔

افسرؔ جبینِ حسن شکن آشنا نہیں
یہ میری آرزو کی دلیلِ جواز ہے

۱۹۴۲ء میں ایک ایسا "حادثہ" پیش آیا کہ مولانا کا دل اس دنیا کی رنگینیوں سے اُچاٹ ہو گیا۔ انہوں نے کم و بیش شعر و شاعری ترک اور کراچی سے ترکِ سکونت کی تیاری شروع کر دی۔ اپنی ساری کتابیں اور سامان امروہہ بھیج دیا۔ اس کیفیت کا اظہار اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔

دل شکن احساسِ ناکامی سے گھبراتا ہوں میں
رونقِ شہرِ کراچی چھوڑ کر جاتا ہوں میں

کچھ عرصہ اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ لیکن جب جذبات میں اعتدال آیا تو وہ کراچی واپس آ گئے۔ لیکن اب ان کی توجہ شعر و شاعری سے ہٹ کر علم و ادب کی طرف ہو گئی کیونکہ افسرؔ امروہوی جانتے تھے کہ محض شاعری سے لوگوں کے مزاج میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی ہے۔ ان میں لکھنے پڑھنے کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نثر پر بھی توجہ دی جائے اور تحقیق و دریافت سے بھی کام لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۳۰ء کے بعد قدیم ادب کے مطالعے اور دریافت و تحقیق کو اپنی فکر کا موضوع بنا لیا ان کے ابتدائی تحقیقی مضامین میں جو ۱۹۳۳ء میں لکھے گئے ان میں تلامذۂ غالب کو بڑی شہرت ملی تھی اور اسے اس دور کے کئی محققوں نے سراہا تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد جب اس شہر کی فضا بدلی تو افسرؔ امروہوی صاحب گوشہ نشین ہو گئے۔

سارا ہندوستان اُجڑا تو کراچی شہر آباد ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کراچی شہر اردو کا ایک نیا مرکز بننے لگا۔ بڑے بڑے اہلِ علم کہاں اس شہر میں آبسے۔ جن کے نام سنتے تھے۔ وہ بذاتِ خود کراچی کی سڑکوں پر نظر آنے لگے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۵۲ء کو وہ صدر معلمی کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے تو انہوں نے طے کیا کہ اب وہ اپنی تصانیف مکمل کریں گے جو برسوں سے اِن کے ذہن اور کاغذ کے پُرزوں پر اشارات کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اسی زمانے میں انہوں نے کئی قابلِ قدر مضامین لکھے جو برِ صغیر کے علمی و ادبی پرچوں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے۔

۱۹۶۲ء میں پچیس سالہ جوبلی جس شان دار طریقے سے منائی گئی اس کی یاد آج بھی کراچی کے حافظے میں محفوظ ہے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان سے وابستہ ہو کر انہوں نے مخطوطات کی وضاحتی فہرست کا کام شروع کیا۔ پہلے وہ ہر ماہ ایک یا چند مخطوطات پر ''قومی زبان'' میں مفصل تعارفی مضامین لکھتے رہے جو بعد میں فہرستِ مخطوطاتِ انجمن ترقی اردو (جلد اوّل) میں شائع ہوئے۔ ان مضامین کے مطالعے سے ان کی وسعتِ علم و نظر کا پتا چلتا ہے۔ اس کے بعد تعارفی مضامین کا یہ سلسلہ باقاعدہ وضاحتی فہرست کی شکل اختیار کر گیا۔

ان کے مضامین ''نگار لکھنؤ''، ''ادب لطیف''، ''نیر نگ خیال''، لاہور میں شائع ہوتے رہے۔ ''معارف'' اعظم گڑھ میں بھی علمی و ادبی تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ سب سے زیادہ مضامین ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی اور سہ ماہی ''اردو'' میں شائع ہوئے ہیں۔ خمخانۂ جاوید جلد پنجم میں صدیقی کے تخلص سے کلام شائع ہوا۔ سنہ ۱۹۶۰ء کی دہائی سے انجمن ترقی اردو پاکستان ' کراچی سے تاحیات وابستہ رہے۔ اس دوران ان ساری توجہ ادبی تحقیق پر مرکوز رہی اور شعر و شاعری کو تقریباً خیر باد کہہ دیا تھا۔9

یہ وہ زمانہ تھا جب مولوی عبدالحق نے مصحفیؔ کے کئی تذکرے شائع کیے ان تذکروں سے افسر امروہوی کو خیال آیا کہ مصحفیؔ کی حیات اور ان کے تلامذہ میں کسی بھی قسم کا کام نہیں ہوا۔ اگر اس سلسلے میں چھان بین کی جائے تو یہ اردو کی بہترین خدمت ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے مصحفیؔ کے اسلوب شاعری کے بارے میں ایک طویل تر مقالہ لکھا جو علامہ نیاز فتح پوری کے رسالہ نگار میں بالا قساط شائع ہوا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے علامہ نیاز فتح پوری کو توجہ دلائی کہ وہ نگار کا مصحفیؔ نمبر نکالیں۔ علامہ نیاز فتح پوری جانتے تھے کہ مصحفیؔ ایک منفرد دبستان شاعری کے بانی ہیں اور اپنا اسلوب اور پیرایہ دوسرے شعراء سے مختلف رکھتے ہیں۔ اگرچہ علامہ نیاز فتح پوری نے افسرؔ امروہوی ہی کی تحریک پر نگار کا مصحفیؔ نمبر نکالا تھا لیکن افسرؔ امروہوی کی معلومات سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ افسرؔ امروہوی نے مصحفیؔ کے حالات اور تلامذہ کے بارے میں بہت سا نیا مواد جمع کر لیا تھا۔ اسے ملک کے علمی اور ادبی حلقوں تک پہنچانے کے لیے کراچی کے ایک جریدے ''تنویر'' نے ''مصحفی نمبر'' شائع کیا۔ اس کے تمام مضامین افسرؔ امروہوی نے لکھے تھے لیکن یہ رسالہ ایسے دور افتادہ اور غیر ادبی شہر سے شائع ہوا تھا کہ اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہو سکی۔ اس کے ایک طویل عرصے بعد انہوں نے اس جمع شدہ مواد کو مرتّب و مدوّن کر کے ۱۹۷۲ء کے بعد ''حیات

مصحفی'' اور ''تلامذۂ مصحفی'' کے نام سے دو کتابیں شائع کیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ :

مصحفی افسر امروہوی کا خاص موضوع ہے جس پر وہ گزشتہ پچاس سال سے مواد جمع کررہے ہیں۔ سلسلۂ مصحفی کے شعرا کی ایک مفصل فہرست بھی مولانا نے مرتب کی ہے جو چار جلدوں میں ہے اور جس میں ہزاروں شعرا کے نام شامل ہیں۔ میں نے کئی بار کہا۔ ''مولانا! آپ مصحفی پر کتاب لکھ کیوں نہیں دیتے''۔ جس کا جواب وہ ہمیشہ یہی دیتے کہ بس چند چیزوں کی تلاش میں ہوں۔ انشاءاللہ اس کے بعد لکھوں گا۔''

۱۹۷۱ء میں میرا تبادلہ لاہور ہوگیا۔ افسر امروہوی نے مجھے لکھا کہ وہ لاہور آنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ''غریب خانہ حاضر ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ایک گزارش بھی ہے کہ مصحفی پر جو آپ نے کام کررکھا ہے اُسے آپ اپنے قیام لاہور میں مکمل کردیں۔'' افسر امروہوی زبان کے سچے اور قول کے پکے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کرلیا اور جب لاہور آئے تو اپنے کاغذوں کا پلندہ بھی ساتھ لیتے آئے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ کتنا اچھا ہو کہ افسر امروہوی یہ کام ہمارے گھر رہ کر مکمل کرلیں۔ دوسرے تیسرے دن ہی سے میری بیوی نے افسر امروہوی کے کام میں دلچسپی لینی شروع کردی۔ روز پوچھتیں۔ '' مولانا کتنا کام ہوگیا ہے۔'' اور افسر امروہوی بتاتے کہ ''ہاں کام آج اور آگے بڑھا ہے۔'' مسلسل کام کرنے سے نتیجہ یہ نکلا کہ دوماہ کے اندر اندر ان کی بلند پایہ علمی تصنیف ''مصحفی۔ حیات وکلام'' پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور ۱۹۷۵ء میں شائع بھی ہوگئی۔ یہ اُن کی شرافت و محبت تھی کہ انہوں نے اس تصنیف کو نہ صرف میرے نام معنون کیا، بلکہ اپنے مقدمے میں لکھا:

''قضاو قدر کے انتظامات دیکھیے کہ ۱۹۷۲ء میں مجھے عزیز محترم ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے مکان پر قیام کا موقع ملا۔ یہاں بیگم جمیل جالبی نے سکون وطمانیت کا وہ ماحول بہم پہنچایا جو ایک سعادت مند بیٹی اپنے عمر رسیدہ باپ کو مہیا کرسکتی ہے اور اسی ماحول نے مجھے پُرانے کاغذات الٹ پلٹ کرنے، بگڑے کام کو سنوارنے اور بھولی بسری تحریروں کو کتابی صورت میں مدوّن کرنے کی فراغت بخشی۔'' [۱۰]

افسر امروہوی ایک مقتدر و معتبر محقق کی حیثیت سے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے لیکن ان کا شاعرانہ مقام بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان کی شاعری سے متعلق تحقیق و تلاش میں ان کا ایک مخصوص رویّہ اور منفرد اسلوب تھا، یہ بات ان کی تحریر اور ہر کتاب میں آشکار ہے، انجمن ترقی اردو پاکستان کے قدیم اور نادر مخطوطات کی جو فہرستیں ان کی غیر معمولی تحقیقی صلاحیتوں، عرق ریزی اور محنت شاقہ کی آئینہ دار ہیں۔ آخری عمر میں بھی ان کی یادداشتیں بلا کی تھیں، کلاسیکی ادب پر بالخصوص ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، مخطوطات شناسی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ادب پر گہری نظر رکھتے تھے، دکنی ادب پر بالخصوص ان کا مطالعہ غیر معمولی تھا نظم و نثر میں متعدد تصانیف وتالیفات افسر امروہوی کی علمی وادبی یادگار کی سی حیثیت

رکھتی ہیں، جو ادب کی گراں مایہ سرمایہ ہیں۔ اس سلسلے میں افسرؔ امروہوی کے تحقیقی مضامین جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اس کے علاوہ ''مصحفیؔ حیات و کلام'' اور ''حیات مصحفیؔ'' بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ افسرؔ امروہوی نے تحقیقات کی روشنی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور جس رخ سے ادبی مواد پیش کیا ہے وہ بصیرت افروز بھی ہے اور معلومات آفریں بھی، جو لوگ روایتی اقدار اور کلاسیکی سرمایۂ ادب کے نام پر ناک بھوئوں چڑھاتے ہیں انہیں ان ادبیات کے مطالعے سے تحقیق و جستجو کی نئی راہیں نظر آئیں گی۔

مختصر یہ کہ افسرؔ امروہوی ایک شیریں کلام اور خوش بیان شاعر ہیں اس مختصر مضمون میں ان کی شاعری کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے اور چند خصوصیات کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے۔ افسرؔ امروہوی ایک قادرالکلام شاعر ہیں غزلوں کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن پر بھی وہ قادر ہیں جن کے نمونے ان کے مجموعۂ کلام سرمایہ تغزل میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ :

خدا کے فضل سے قبضہ ہے اقلیم معانی پر
تعجب کیا اگر افسر کو دعویٰ ہے فصاحت کا [11]

غرض کہ تحقیق اور شاعری ان کی زندگی کے درخشاں کارنامے ہیں اور رہیں گے۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے۔

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

شاعری اور تحقیق میں افسرؔ امروہوی کے اعلیٰ مرتبے سے کون واقف نہیں اور ان دریائوں کے کشتی راں خلوصِ دل سے اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد حسین صدیقی، کِشورِ امروہہ اولیاء، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص، ۵۲
۲۔ سیّد قمر رضی، امروہہ میری یادوں کے دھندلکوں میں، سن ندارد، ص، ۳۳
۳۔ احمد حسین صدیقی، کِشورِ امروہہ اولیاء، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص، ۱۹۶
۴۔ سفیرِ اُردو، جنوری/مارچ ۲۰۰۱ء، ص، ۵
۵۔ افسرؔ صدیقی امروہوی، سرمایۂ تغزل، انجمن ترقی اردو، پاکستان ۱۹۸۳ء، ص: ۲۸
۶۔ سفیرِ اُردو، جنوری/مارچ ۲۰۰۱ء، ص: ۳۱تا۳۲
۷۔ قومی زبان، انجمن ترقی اردو (کراچی)، فروری ۱۹۸۷ء، ص، ۳۳ تا ۳۴
۸۔ قومی زبان، انجمن ترقی اردو (کراچی)، جولائی ۱۹۸۱ء، ص، ۳۳ تا ۳۴
۹۔ احمد حسین صدیقی، کِشورِ امروہہ اولیاء، محمد حسین اکیڈمی، فروری ۱۹۹۹ء، ص، ۲۰۳
۱۰۔ افکار، اکتوبر ۱۹۷۸ء، ص ۱۵
۱۱۔ افسرؔ صدیقی امروہوی، سرمایۂ تغزل، انجمن ترقی اردو، پاکستان ۱۹۸۳ء، ص: ۱۰